مولانا ڈاکٹر غلام محمد صاحب ۔ کراچی

# حافظؒ اور عرفانِ حافظ

چند برس ہوئے کہ میں نے ایک ناشر کتب کو اس بات پر آمادہ کر لیا تھا کہ حکیم الامتؒ نے اپنی معرکۃ الآراء تالیف "التکشف عن مہمات التصوف" میں عارف شیرازؒ کی مشکل غزلوں اور اشعار کی جو شرح "عرفانِ حافظ" کے نام سے لکھی ہے، اسکو علیحدہ کتابی صورت میں شائع کر دیا جائے تاکہ نہ صرف اہلِ ذوق اس سے مستفید ہوں بلکہ کالجوں کے پروفیسروں اور ایم اے کے طالب علموں کے لئے بھی یہ شرح کام آجائے، ناشر نے اس کا پکا وعدہ کر لیا اور اس پر ایک تعارف یا مقدمہ لکھنے کی فرمائش کی۔ چنانچہ اسکی فوراً ہی ذوق و شوق سے تعمیل ہو گئی، مگر پھر اس نے ٹال مٹول شروع کر دی اور یہ کام رہ گیا، بہر حال یہ وہی مضمون ہدیۂ ناظرین ہو رہا ہے، کیا عجب کہ مضمون نگار کی یہ تمنا کہ "عرفانِ حافظ" الگ چھپ جائے کسی اور خوش بخت کے حصّہ میں آجائے اور اس وقت یہ مضمون اس میں شریک ہو سکے۔

---

شمس الدین۔ محمدؔ۔ حافظؔ شیرازی اقلیمِ غزل کے شہنشاہ، اہلِ سخن کے سرتاج! مدرسوں اور کالجوں میں ان کی شاعری کی دہوم دھام، رندوں کی محفل میں ان کا غلغلہ! اُن کی غزلوں سے اہلِ سماع مدہوش، ان کے اشعار سے سالکینِ طریقت میں راستہ کا شعور اور بڑھے چلنے کا جوش و عزم! عارفین ان کی بیاض کو سندِ معرفت بنائے ہوئے، شیوخ ان کے دیوان کو قرآبادینِ تصوّف کا درجہ دیئے ہوئے اور عوام کے ہاتھ میں یہی مقدس دیوان نامعلوم مستقبل کا آئینہ حال بنا ہوا ـــــــ غرض ہر جگہ حافظ کا چرچا اور ہر سمت ان کا شہرہ، پھر بھی جسقدر وہ جانے پہچانے ہیں اسی قدر چھپے چھپائے بھی ہیں، بڑے بڑے محقق اور نامور مورخ ان کے سوانح کی کھوج میں نکلے، پر یقین کے ہاتھ جو واقعات لگے وہ اتنے مختصر تھے کہ اس سے حیاتِ حافظ کا کامل اور ہو بہو مرقع تیار کرنا محال تھا، علامہ شبلی نعمانی مرحوم نے اپنی ساری کد و کاوش کا حاصل یہ لکھا ہے:

"تاریخ شاعری کا کوئی واقعہ اس سے زیادہ افسوسناک نہیں ہو سکتا کہ خواجہ حافظؒ کے حالاتِ زندگی اس قدر کم معلوم ہیں کہ تشنگانِ ذوق کے لب بھی تر نہیں ہو سکتے ۔۔۔ ہمارے تمام تذکرہ نویسوں نے جو کچھ لکھا ہے، ان سب کو جمع کر دیا جائے تب بھی ان کی زندگی کا کوئی پہلو نمایاں ہو کر نہیں نظر آتا، جس قدر تذکرے ہیں۔ سب ایک دوسرے سے ماخوذ ہیں اور وہی چند واقعات ہیں جنکو بہ اختلافِ الفاظ سب نقل کرتے آئے ہیں۔ ان سب میں عبد النبی فخر الزمانی نے اپنے تذکرۂ میخانہ میں جو جہانگیر کے عہد میں ۱۰۳۶ھ میں لکھا گیا، ابتدائی حالات اوروں کی بہ نسبت اچھے بہم پہنچائے ہیں۔ حبیب السیر میں جستہ جستہ کچھ واقعات ملتے ہیں، خود حافظ کے کلام میں جا بجا واقعات کے اشارے ہیں۔" [۱]

اس مختصر اور مجمل سرمایہ سے بقولِ شبلیؒ، حافظ کی تصویر تو کیا کھنچ سکے، تصویر کا خاکہ بھی نہیں تیار کیا جا سکتا بلکہ خاکہ کی چند لکیریں ہی کھینچی جا سکتی ہیں۔ [۲]

**نسب** | خواجہ حافظؒ کے دادا جن کا نام تذکروں میں نہیں ملتا، اصفہان کے مضافات کے باشندے تھے اتابکانِ شیراز کے زمانہ میں وہ شیراز آکر رہ گئے تھے، ان کے فرزند بہاء الدین ہوئے جو یہاں کے نامور تاجروں میں شمار ہونے لگے تھے، ان کے تین بیٹے تھے جن میں شمس الدین محمد سب سے چھوٹے تھے، جو بعد میں حافظ شیرازی کے نام سے شہرت کے کمال کو پہنچے۔

**پیدائش** | حافظ کا سنِ پیدائش معلوم نہیں، بس اتنی بات یقینی ہے کہ وہ آٹھویں صدی ہجری کی ابتدا میں پیدا ہوئے۔

**غربت میں پرورش** | خواجہ حافظؒ کے والد گو مالدار تھے۔ مگر ان کا انتقال خواجہ صاحب کی کم سنی میں ہو گیا تھا، ان کے دو بڑے لڑکوں نے باپ کی کمائی بے دردی سے اڑا دی اور پھر غربت کا شکار ہو کر شیراز سے نکل گئے۔ البتہ خواجہ صاحب اپنی ماں کے ساتھ وہیں رہے، تنگدستی اور فاقہ کشی سے مجبور ہو کر والدہ نے اپنے لختِ جگر کو ایک شخص کے حوالہ کر دیا کہ اپنی خدمت میں رکھ کر کھانے پینے کی کفالت کرے، خواجہ صاحب جب سنِ شعور کو پہنچے تو اس شخص کی بدکرداری سے برداشتہ خاطر ہو کر علیحدہ ہو گئے اور خمیر بنانے کا پیشہ اختیار کر لیا، آدھی رات سے اٹھ کر صبح تک خمیر گندھتے، جو آمدنی ہوتی اس میں سے ایک تہائی اپنی والدہ کو دیتے، ایک تہائی اپنے استاد (معلم) کو اور باقی راہِ خدا میں خرچ کر دیتے تھے، یہ تھا زاہدانہ کردار اس

---

[۱] و [۲]۔ ملاحظہ ہو شعر العجم (حصہ دوم) از علامہ شبلی نعمانیؒ

طفلِ مکتب کا۔!

تعلیم | ابتدائی تعلیم شیراز ہی کے ایک مکتب میں حاصل کی اور خود اپنے شوق اور اپنی گرہ سے خرچ کر کے حاصل کی، یہیں قرآن پاک بھی حفظ کیا، تجوید و قرأت بھی سیکھی بلکہ ان کے اشعار سے پتہ چلتا ہے کہ ان کو اس فن پر عبور حاصل تھا، فرماتے ہیں ؎

عشقت رسد بفریاد از خود بسان حافظ ۔ قرآن زبر بخوانی در چار دہ روایت

اس ابتدائی تعلیم کے بعد وہ شمس الدین محمد عبد اللہ شیرازی کے حلقۂ درس میں شریک ہوئے جو ایک بڑے مفسّر اور فقیہہ تھے اور دور دور سے لوگ آکر ان سے فیض یاب ہوتے تھے، خواجہ صاحب نے اپنے استاد پر اپنی ذہانت کا ایسا سکہ جمایا کہ وہ ان کے شاگردِ رشید بن گئے اور استاد نے اپنا لقب شمس الدین ان کو عطا کر دیا۔[1]

قرآن پاک سے شغف | خواجہ صاحبؒ کے علمی ذوق کا محور قرآن پاک تھا۔ اور علامہ زمخشری کی تفسیرِ کشاف، معلوم ہوتا ہے کہ خاص طور پر اُن کو پسند تھی، چنانچہ انہوں نے کشاف پر حاشیہ بھی عربی زبان میں لکھا ہے، خود فرماتے ہیں ؎

زحافظانِ جہاں کس چو بندہ جمع نہ کرد ۔ لطائفِ حکماء با کتابِ قرآنی

ان کو اپنے قرآنی شغف پر ناز تھا، چنانچہ ان کے اشعار میں اس کے اشارے ملتے ہیں ؎

ندیدم خوشتر از شعرِ تو حافظ ۔ بہ قرآنے کہ اندر سینہ داری

معمول تھا کہ ہمیشہ جمعہ کی رات کو مسجد کے مقصورہ میں تمام رات خوش الحانی کے ساتھ قرآن مجید پڑھتے۔[2]

خود خواجہ صاحب کو اعتراف ہے کہ انہیں جو کچھ ملا قرآن پاک ہی کی بدولت ملا ؎

صبح خیزی و سلامت طلبی چوں حافظ ۔ آنچہ کردم ہمہ از دولت قرآن کردم

شب خیزی | خواجہ صاحبؒ شب زندہ دار انسان تھے، جسکا اندازہ اوپر کے شعر سے بھی ہوتا ہے، اور کئی اشعار سے بھی۔ مثلاً ؎

بس دعائے سحرت مونس جاں خواہد بود ۔ تو کہ چوں حافظ شب خیز غلامے داری

عربی پر عبور | مولانا شبلیؒ لکھتے ہیں ـــــ" کلام سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے علوم

---

[1] "حیاتِ حافظ" از اسلم جیراج پوری ـــ یہ ۱۹۰۹ء کی تصنیف ہے۔ جب جیراج پوری صاحب ابھی اتنے بڑے محقق نہیں بنے تھے کہ حدیثِ رسولؐ کے انکار پر کمربستہ ہو جاتے۔ [2] شعر العجم (حصہ دوم)

درسیہ کی تحصیل مستعدانہ کی تھی، اکثر غزلوں میں عربی کے مصرعے جس برجستگی سے لاتے ہیں۔ اس سے ان کی عربیت کا اندازہ ہو سکتا ہے بعض غزلوں میں متعدد شعر خالص عربی میں ہیں اور سلاست و فصاحت میں جواب نہیں رکھتے ،مثلہ سے

بیا ساقی بدہ رطلِ گرانم ! سقاك الله من كاسٍ دهاق
نهانی الشیب من وصل الغوادی سوی تقبیل خدّ و اعتناق

سلام الله من كرّ اللیالی
علی ملك المكارم و المعالی

وغیرہا۔

**پہلے شاعری میں ناکامی** حافظؒ کا زمانہ شعر و شاعری کی بہار کا زمانہ تھا، گھر گھر شاعری کا چرچہ اور سخن سنجی کا ذوق عام تھا، خواجہ حافظؒ کے محلہ میں ایک بزاز (کپڑے کا تاجر) تھا، وہ سخن سنج اور موزوں طبع تھا اور اس مناسبت سے ارباب ذوق وہاں جمع رہتے تھے، اور شعر و سخن کی محفلیں گرم رہتی تھیں، خواجہ صاحب کی طبیعت بھی اس سے متاثر ہوئی اور شعر گوئی کا ولولہ ان میں پیدا ہوا۔ لیکن طبیعت چونکہ موزوں نہ تھی اس لئے شعر بے تکے کہتے تھے اور جب سناتے تو لوگ ان کو بناتے تھے، یہاں تک کہ خواجہ صاحب سامانِ تفریح بن کر رہ گئے اور لوگ محض لطف اندوزی کے لئے انہیں اپنی محفلوں میں لے جاتے تھے، دو سال یہی حال رہا۔ جب استہزا حد سے بڑھا تو خواجہ صاحب کے دل کو ٹھیس لگی، زندوں کے ہاتھوں ستائے ہوئے جاتے تو کہاں جاتے؟ لاچار بابا کوہیؒ کے مزار پر جا پہنچے اور پھوٹ پھوٹ کر رو دیئے،

**شاعری میں کمال کا روحانی سبب** اسی شکستہ دلی اور رنجوری کی حالت میں رات کو جو سوئے تو خواب میں دیکھا کہ ایک بزرگ ان کو لقمہ کھلاتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ "جاؤ تجھ پر تمام علوم کے دروازے کھل گئے"۔ نام دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ باب العلم حضرت علی کرم اللہ وجہہ ہیں، خواجہ صاحب جب نیند سے جاگے بالکل غم و رنج سے پاک، تر و تازہ تھے، اب ان کا سینہ معارف کا گنجینہ اور ان کی زبان حقائق غیب کی ترجمان تھی، صبح اٹھتے ہی وہ معرکہ کی غزل کہی جس کا مطلع یہ ہے

دوش وقتِ سحر از غصہ نجاتم دادند وندراں ظلمتِ شب آبِ حیاتم دادند

جب شہر میں نکلے تو لوگوں نے حسبِ معمول پڑھنے کی فرمائش کی، خواجہ صاحب نے تازہ بہ تازہ غزل پڑھی، سب حیران رہ گئے سمجھے کہ کسی سے لکھوا لائے ہیں، امتحان لیا، ایک طرح دی، عارفِ شیرازؒ نے اس میں بھی لاجواب غزل کہی، پھر تو گھر گھر ان کے کمال کی شہرت ہو گئی، ملّا عبدالرحمٰن جامی قدس سرہٗ نے اسی لئے ان کو

---

لہ شعر العجم (حصہ دوم)

لسان الغیب کہا ہے۔ [1]

سلسلۂ طریقت | یقینی طور پر کچھ پتہ نہیں چلتا کہ حافظ شیرازیؒ کب اور کس سے بیعت ہوئے، ملّا جامیؒ نے بھی اس سلسلہ میں بالکل لاعلمی ظاہر کی ہے، البتہ منتخب التواریخ میں ہے کہ وہ حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبند قدس سرہ (ف ۷۹۱ھ) کے مرید تھے، اور یہ کہ جب خواجہ نقشبندؒ حج کو جا رہے تھے، تو شیراز میں بھی چند دن ٹھہرے، یہیں خواجہ حافظ نے ان سے بیعت کا شرف پایا اور صحبت سے مستفید ہوئے پھر شیخ جب حج سے لوٹے تو دوبارہ خواجہ حافظ کو ان کی صحبت سے فیض یاب ہونے کا موقع ملا [2] باقی اس افواہ کی کوئی سند نہیں ملتی کہ وہ حضرت نجم الدین کبریٰ رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت تھے ـــــ جو بات کامل یقین سے کہی جا سکتی ہے وہ بس یہ ہے کہ خواجہ صاحب کسی سلسلۂ طریقت سے ضرور منسلک تھے! اور اپنے شیخ طریقت کے کمالات و تصرف باطنی کے حد درجہ معترف تھے، فرماتے ہیں ؎

کیا نیست عجب بندگی پیر مغاں | خاک او گشتم و چندیں درجاتم دادند
بندۂ پیر خراباتم کہ لطفش دائم است | زانکہ لطف شیخ و زاہد گاہ ہست و گاہ نیست
حافظ جناب پیر مغاں جائے عشرت است | من ترک خاک بوسئ ایں در نمی کنم! وغیرہ

سادہ و پاک زندگی | دور حافظ کے کسی تذکرہ نگار نے عارف شیراز کے زہد اور پاکبازی میں شبہ ظاہر نہیں کیا ہے، خود ان کا کلام بتاتا ہے کہ وہ ایک شب زندہ دار عابد، صوفی مشرب بزرگ تھے، ان کی زندگی نہایت سادہ تھی، اظہار تقدس سے ان کو نفرت تھی، فرماتے ہیں ؎

غلام ہمت دُردی کشانِ یک رنگم | نہ آں گروہ کہ ازرق لباس و دل سیہ اند

شاعرانہ زبان میں ان کا پاکیزہ مسلک یہ تھا ؎

بادہ نوشی کہ در و ہیچ ریائے نبود | بہتر از زہد فروشی کہ درو روی و ریاست
ترسم کہ صرفۂ نبرد روز باز خواست | نان حلال شیخ ز آب حرام ما

وہ اپنے آپ کو کس قدر چھپائے رکھتے تھے، اس کا اندازہ اس تلقین سے لگائیے جو وہ خود اپنے دل کو کر رہے ہیں ؎

اے دل طریق مستی از محتسب بیاموز | مست است و در حق او کس ایں گماں ندارد

ان کی تواضع اور فنائیت کے مشرب پر یہ ایک شعر ہزار گواہیوں سے بڑھ کر ہے ؎

در راہ ما شکستہ دلے می خرند و بس | بازار خود فروشی، ازاں راہ دیگر است

---

[1] نفحات الانس مؤلفہ حضرت جامیؒ [2] راقم الحروف کو اس روایت سے بھی تسلی نہیں، اس لئے کہ اگر یہ بات تھی تو ایسے مرید عارف کا ذکر حضرت خواجہ نقشبندؒ کے احوال کے ضمن میں کہیں تو آتا، واللہ اعلم۔

**امراء کی مدح کا الزام** | خواجہ صاحبؒ پر لگانے والے یہ الزام بھی لگاتے ہیں کہ وہ امیروں کی تعریفیں لکھ لکھ کر انعام و اکرام حاصل کیا کرتے تھے۔ مولانا شبلیؒ نے اسکی تردید پوری قوت سے کی ہے، وہ لکھتے ہیں:

"یہ بالکل غلط ہے کہ خواجہ صاحب ہاتھ پاؤں توڑ کر بیٹھ گئے تھے اور کسبِ معاش کی کچھ فکر نہ کرتے تھے، البتہ فرق یہ ہے کہ ان کے تمام معاصرین بلکہ پیشرو نہایت ذلیل اور کمینہ طریقوں سے کام لیتے تھے، انوری، ظہیر فاریابی، سلمان ساوجی کس پایہ کے لوگ تھے[1] لیکن سب کا یہ حال تھا کہ کسی کی مدح لکھی اور اس نے صلہ کم دیا یا دیر لگا دی تو ہجو شروع کر دیتے تھے، اور یہاں تک نوبت پہنچاتے تھے کہ تہذیب و شائستگی آنکھیں بند کر لیتی تھی، ظہیر وغیرہ کے کلام میں سینکڑوں قطعے اور قصائد ہیں جن میں اس درجہ کا گدایانہ ابرام ہے کہ ان کو دیکھ کر شرم آتی ہے، خواجہ صاحبؒ اس سے بری ہیں، وہ مدح لکھتے ہیں، صلہ ملا تو بہتر ورنہ یہ کہہ کر چپ ہو جاتے ہیں کہ تقدیر میں نہ تھا۔ کبھی ہلکا سا تقاضا بھی کرتے ہیں۔ لیکن پیرایہ نہایت لطیف ہوتا ہے ---- ایک قطعہ میں کس لطف سے کنایہ کیا ہے

دوش در خواب چناں دید خیالم کہ سحر　　گذر افتاد بر اصطبل شہم پنہانی
بستہ بر آخور او، استر من جو می خورد　　تو برہ افشاند و بمن گفت مرا می دانی؟
ہیچ تعبیر نئے دانمش ایں خواب کہ چیست　　تو بہ بفرمائے کہ در فہم نداری ثانی

یعنی میں نے کل خواب دیکھا کہ میرا گذر شاہی اصطبل خانے کی طرف ہوا، وہاں میرا خچر جو کھا رہا تھا، مجھ کو دیکھ کر اس نے توبڑہ کا رخ میری طرف کر کے جھاڑا اور کہا کہ کیوں مجھے پہچانتے ہو؟ اس خواب کی مجھ کو کچھ تعبیر نہیں معلوم ہوتی، آپ بڑے نکتہ فہم ہیں، آپ ہی بتائیں کہ اسکی کیا تعبیر ہے مطلب یہ کہ گھوڑے کے دانے چارے کا سامان کر دیجئے۔"[2]

جن ارباب کرم نے خواجہ صاحب کیساتھ حسن سلوک روا رکھا، خواجہ صاحب نے احسان مندی کے اظہار میں نہ تو بخل کیا نہ اسکی پرواہ کی، لوگ ان کے متعلق کیا کہیں گے، وہ طبیعتاً آزاد اور مخلوق سے نظر ہٹائے ہوئے تھے، ان کا حال ان کے ہمرنگ ہندی معاصر کی زبان میں یہ تھا

خلق می گوید کہ خسرو عشقبازی می کند　　آرے آرے می کنم با خلق عالم کار نیست

چنانچہ عماد بن محمود، حاجی قوام، خواجہ جلال الدین اور نصرت الدین شاہ یحیٰ وغیرہ کی تعریف میں جو

---

[1] یعنی اپنے فنی کمال کے لحاظ سے۔ [2] شعر العجم۔

اشعار خواجہ حافظؒ نے کہے ہیں، اس پر عام لوگ انگشت نمائی کرتے ہیں کہ یہ بھی ظہیر فاریابی وغیرہ کی طرح شاہ پرست اور امراء پرست ہیں، مگر یہ بدگمانی محض اس وجہ سے ہوجاتی ہے۔ کہ تملق اور احسان شناسی کے ڈانڈے بظاہر ملے ہوتے ہیں۔ حالانکہ ان کے محرکات بالکل الگ الگ ہیں، ایک خلق و شرافت کے دامن کا داغ ہے اور دوسرا اسکی زینت!

**عارف شیراز کی وفات** خواجہ صاحبؒ نے ۷۵، اور ۸۰ برس کے درمیان عمر پائی، تاریخ پیدائش معلوم نہیں اس لئے ٹھیک ٹھیک تعین محال ہے۔ البتہ اتنا معلوم ہے کہ وہ ۷۹۲ھ میں اس دنیا سے رحلت فرماگئے[۱] رحمۃ اللہ علیہ۔ اُن کی وفات اپنے وطن ہی میں ہوئی۔ جنازہ پر غلقت خدا کا بڑا ہجوم تھا، شہر کے امراء و رؤساء حتیٰ کہ منصور بن مظفر، بادشاہِ وقت بھی شریک جنازہ تھا[۲] مصلیٰ چونکہ ان کا محبوب مقام تھا، اس لئے خاک مصلیٰ میں ان کو پیوند خاک کردیا گیا، علامہ شبلی لکھتے ہیں: "سلطان بابر بہادر کے زمانہ میں محمد معمائی نے جو صدارت کی خدمت پر ممتاز تھا، خواجہ صاحبؒ کا مقبرہ بصرف کثیر تیار کردیا جو اب تک قائم ہے، ان کے نام کی مناسبت سے اس جگہ کا نام حافظیہ ہوگیا ہے۔"[۳]

**مرقد حافظ پر ستم** وقت گذر جانے پر آج عارف شیراز کے مرقد انور پر اہل ہوس نے جو معاملہ کر رکھا ہے۔ وہ مولانا شبلیؒ کی زبانی یہ ہے:

"ہفتہ میں ایک خاص دن مقرر ہے، لوگ وہاں زیارت کو جاتے ہیں، وہیں دن بسر کرتے ہیں، کھانے پکاتے ہیں، چائے پیتے ہیں، کہیں کہیں شراب کا دور بھی چلتا ہے، کوئی رنگین مزاج خواجہ صاحب کے نام کا حصہ خاک پر گرا دیتا ہے۔"[۴]

افسوس جتنا بھی کیجئے مگر حیرت کی تو کوئی بات نہیں، مدت سے پیر کلیر (علاء الدین صابر چشتیؒ) شہباز قلندر (سندھ) وغیرہ وغیرہ پائے کے اولیاء اللہ کے مزاروں پر سالانہ عرس کے نام سے کیا کچھ ہند و پاکستان میں ہو نہیں رہا ہے۔! انا للہ،

**کیا خیام و حافظ ایک ہیں؟** اکثر سوانح نگار یہ لکھتے ہیں کہ خواجہ حافظ کا فلسفہ تقریباً یا تمام تر وہی ہے جو خیام کا ہے۔ بس اتنا فرق ہے کہ خیام کے ہاں اجمال ہے اور یہاں تفصیل، اُس کے کلام میں جوش نہیں اور یہاں جوش بھی ہے اور قوت بھی —— لیکن جب ہم ان دونوں کی زندگی اور ان کے دائرۂ فکر و نظر کو دیکھتے ہیں، تو ان سوانح نگاروں سے اختلاف پر مجبور ہوجاتے ہیں۔ خیام ایک بلند پایہ حکیم اور ماہر فلکیات تو ہے، مگر اسکو

---

[۱] [۳] [۴] شعر العجم [۲] حیات حافظ از اسلم جیراجپوری۔

دل کی کائنات اور روحانی عالم کے آسمانوں کا کچھ بھی پتہ نہیں، اسکی رسائی مہ وانجم تک سہی مگر صفات و ذات حق تک ہرگز نہیں، اس کے برعکس حافظ عارف کے متعلق یہ کہیں نہیں ملتا کہ وہ اصطلاحی معنی میں حکیم و فلسفی ہیں یا انہوں نے اپنی توانائیاں فلک پیمائی میں کبھی صرف کی ہیں، وہ تو عاشقِ قرآن ہیں، عابد شب زندہ دار ہیں، ان کی توجہ دل پر ہے۔ وہ فضائے روحانی کے شہباز ہیں۔ اس عالم کے جو بھید ان پر کھلے، انہوں نے شاعری کے پردہ میں لوگوں کو سنائے دکھائے اور یہ سالکین طریقت پران کا احسان عظیم ہے، البتہ یہ ہو سکتا ہے کہ حافظ کی یافت میں، جو انفرادی ذوق نظر اور رنگ طبیعت ہی کے مطابق ہو سکتی ہے، بعض باتیں بہ ظاہر ہم رنگ خیام آگئی ہوں یا انکی ظاہری تعبیر سے معنوی یکسانیت کا گمان ہوتا ہو، مگر اسکی وجہ سے دونوں کو ایک سمجھنا انصاف کا خون کرنا ہے۔ کیا متنبی کی بعض حکیمانہ باتیں یا کبیر داس کے چٹکلے ہمارے اہل صدق و صفا کی بعض باتوں سے مل نہیں جاتے۔؟ مگر کوئی اگر یہ کہے متنبی و محی الدین ابن عربیؒ یا کبیر داس اور سعدی شیرازیؒ ایک ہیں تو کیسی بے بصیرتی ہو گی۔ یہی معاملہ خیام و حافظ کا بھی ہے، خیام دماغ ہے اور حافظ دل، زاویۂ خمول میں بیٹھے دونوں ہیں، مگر ایک کی نظر ماہ وانجم پر ہے، اور دوسرے کی نگاہ ذات و صفات الٰہیہ پر ؎

چہ نسبت خاک را با عالم پاک

**حکیم الامت کا چیلنج** حافظ رحمۃ اللہ علیہ کے سالک عارف ہونیکا حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے نہ صرف دعویٰ کیا ہے۔ بلکہ پوری قوت سے اپنے ملفوظات اور مواعظ میں نکتہ شناسوں کو یہ چیلنج دیا ہے کہ اگر حافظ، سالک عارف نہیں تو ان کے کلام میں سلوک و معرفت کے اس قدر دقیق حقائق اور باریک مسائل کا حل کیسے مل جاتا ہے۔؟ اگر یہ محض شاعرانہ ملکہ کا بے شعوری کرشمہ ہے تو شاعر تو سینکڑوں ہیں، کسی غیر عارف شاعر کے کلام سے معارف و حقائق اور سلوک کے ایسے دقائق کوئی نکال دکھائے۔؟

**اہل نظر پر شبہ اہل تخمین پر اعتماد!** اس چیلنج سے ہٹ کر راقم سطور کو تو آج کی عقل کے اس فیصلہ پر افسوس ہے۔ کہ وہ اہل نظر اور نزدیک سے دیکھنے والوں کی یافت میں تو شک و شبہ رکھتی ہے۔ اور جو حد نظر سے دور رہ کر محض ظن و تخمین سے حکم لگا رہے ہیں، ان کی بات کو قابل بھروسہ گردانتی ہے۔ عارف شیراز کی شخصیت آٹھویں صدی سے آج تک بڑے بڑے مشائخ اور صوفیاء کے نزدیک معرفت آگاہ اور حقائق طریقت کی رمز کشا رہی ہے۔ مگر جن کو نہ تو طریقت کی ہوا لگی ہے اور نہ جو حافظ عالی مقام کو قریب سے دیکھ سکے ہیں، وہ اغیار یعنی مستشرقین یورپ کی باتوں میں آکر عرفانی فضاء کے اس شہباز پر ایک بدمست شرابی کا گمان کرنے لگے ہیں۔ یہ خود ان کے ذہن کی گندگی ہے۔ نہ کہ عارف شیراز کے دامنِ تقدس کی آلودگی، —— اوپر گذر چکا کہ ملا عبدالرحمٰن جامیؒ جیسی ظاہر و باطن اور علم و ذہانت کی جامع شخصیت حافظ شیرازی کو "لسان الغیب" اور "ترجمان الاسرار" کے القاب سے یاد کرتی ہے۔

پروفیسر مولانا عبدالباری ندویؒ کا اظہار | خواجہ حافظ شیرازی کا حال و مقام سب اس لئے مشتبہ ہو گیا کہ ؎

ہر چند ہو مشاہدہ کی گفتگو مگر اُن سے
بنتی نہیں ہے ساغر و مینا کہے بغیر

نتیجہ یہ ہوا کہ جسطرح بعضوں نے تاریخ دانی کا فرض حضرت منصور کو ملحد و زندیق قرار دے کر ادا کیا، اسی طرح بعضوں نے سخن فہمی کی داد یہ دی کہ عارف شیراز کی مستی میں شراب انگور اور شراب معرفت کے فرق کو نہ سمجھ سکے، مدت تک راقم بھی کچھ ایسی ہی خوش فہمی میں مبتلا رہا۔ اور بمبئی یونیورسٹی کے دکن کالج و گجرات کالج کے لکچروں میں حضرت خواجہؒ کی روح کے لئے سامانِ اذیت بنا رہا۔ اللّٰھم اغفر لی فانما انا بشر فایما مومن اذیته اوشتمته فاجعلھا له صلوٰۃ وزکوٰۃ تقربه بھا الیك [1]

پہلی ہی غزل کے ان اشعار میں عشق و مئے اور پیرِ مغاں سے مجاز، سوا بد مذاق کے، کون مراد لے سکتا ہے؟

الا یا ایها الساقی ادر کاساً و ناولها
کہ عشق آساں نمود اوّل ولے افتاد مشکلہا

بہ مے سجادہ رنگیں کن گرت پیرِ مغاں گوید
کہ سالک بیخبر نبود ز راہ و رسم منزلہا

پھر غزلیں کی غزلیں ایسے اسرار و معرفت اور مضامین حقیقت سے پُر ہیں جن کو زبردستی بھی مجاز کے معنی نہیں پہنائے جا سکتے۔ مثلاً ؎

دوش وقت سحر از غصہ نجاتم دادند
و ندراں ظلمت شب آب حیاتم دادند

بیخود از شعشعہ پرتو ذاتم کردند
بادہ از جام تجلیٔ صفاتم دادند

اس طرح اس کے بعد ہی دوسری غزل ؎

دوش دیدم کہ ملائک درِ مے خانہ زدند
گِل آدم بسرشتند و بہ پیمانہ زدند

ساکنانِ حرم ستر و عفاف ملکوت
با منِ راہ نشین بادۂ مستانہ زدند

دونوں مسلسل بائیس شعر کی غزلیں تمامتر حقیقت و معرفت ہی کے معاملات و مضامین کی ترجمان ہیں —— غرض دیوانِ حافظ اصل میں "عرفانِ حافظ" ہے۔ [2]

دیوانِ حافظ کے ساتھ ایرانیوں کی گستاخی | حافظ علیہ الرحمۃ کے نام نہاد ماننے والوں کا یہی ستم کیا کم تھا

---

[1] ترجمہ: اے اللہ مجھے معاف فرما کہ میں ایک بشر ہی تو ہوں سو جس کسی مسلمان کو میں تکلیف دوں یا اُسے برا بھلا کہوں تو اس سب کو تو اسکے حق میں رحمت اور پاکیزگی کا ذریعہ بنا جس سے تو اسکو اپنا مقرب بنا لے۔

[2] ملاحظہ ہو "تجدید تصوف و سلوک" مؤلفہ حضرت مولانا عبدالباری ندوی مدظلہ ص۴۸۶ تا ص۴۸۸ طبع اوّل۔

کہ ان کے کلامِ عرفانی سے حظِ روحانی کی بجائے لذتِ نفسانی کا کام لے رہے تھے اور انکی غزلوں پر جھوم جھوم کر بادۂ انگور کے جام پر جام چڑھا رہے تھے۔ کہ آج کے فرنگ زدہ ایران نے دیوانِ حافظ کے ایڈیشن پر ایڈیشن جنسی بدمستی کی تصاویر کے ساتھ شائع کر دئے ہیں۔ اور ہر شعر کی توجیہہ میں شراب مغنیہ اور چنگ و رباب اور وفور شہوت کی عکاسی کا کمال پیش کیا ہے۔ افسوس کہ مصحفِ عشقِ الٰہی، زندیقوں کے ہاتھ میں آکر کس بے حرمتی کا شکار ہے۔

## عرفانِ حافظ

اسی بدمذاقی اور جہل مرکب کو دیکھ کر عارف تھانوی حکیم الامت مولانا اشرف علی رحمۃ اللہ علیہ نے، جن کی ذات متنوع کمالات کا بیکہ جن کی نگاہ ملت محمدیہ کے ایک ایک مرض کی پہچاننے والی اور جن کا قلم ہر مرض کا نسخۂ شافی لکھنے والا تھا، خاص کر فنِ سلوک اور طریقِ عشق کی تو تجدید ہی اس صدی میں جن کے ہاتھ سے ہوئی ہے، انہوں نے اکابر صوفیاء پر اہلِ ظاہر کے جو اعتراضات تھے۔ ان کے نہ صرف تشفی بخش جوابات دئے بلکہ ان اقوال کے مآخذ پر مطلع فرما کر ان باتوں کو شریعت کے عین مطابق ثابت کر دکھایا۔ انہی خدمات کے منجملہ کلامِ حافظ کے ایک معتدبہ حصہ کی مستقل شرح بھی تحریر فرما دی تاکہ بقول مولانا عبدالباری ندویؒ ——

"اہلِ ہوس اس کے مئے و معشوق کو اپنے جذباتِ ہوسناکی کی حقیقت کا آئینہ نہ بنائیں اور دوسری طرف مذاقِ سخن سے ناآشنا بعض بظاہر خلافِ شریعت شاعرانہ تعبیرات و عنوانات کی بناء پر اسکو اپنی رندی و آزادی کی حجت نہ ٹھہرائیں۔"

شارح عارف رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی اس شرح کا نام "عرفانِ حافظ" رکھا اور سچ یہ ہے کہ اس شرح کے بغیر عارفِ شیراز کے اسرار و رموزِ عرفانی تک رسائی اچھے اچھوں کے لئے بھی دشوار ہی ہے۔ دیوانِ حافظ کی شرحوں میں "عرفانِ حافظ" بکو وہی انفرادیت و امتیاز حاصل ہے، جو مثنوی معنوی کی شرحوں میں حکیم الامت علیہ الرحمۃ کی "کلیدِ مثنوی" کو حاصل ہے۔

علامہ سید سلیمان ندوی کی رائے گرامی | سید الملت علامہ سید سلیمان ندویؒ جنکی دھاک علمی دنیا میں نہ صرف دینی علوم ہی کے اعتبار سے قائم ہے۔ بلکہ وہ فلسفی و متکلم بھی مانے ہوئے ہیں، علامہ ممدوح نے "خیام"[1] تصنیف کر کے اور عمر خیام کے گہرے فلسفیانہ مقالات کو مرتب و مدون کر کے اور اسی روشنی میں "رباعیات خیام"

باقی صـ۳۲ پر

[1] افسوس کہ یہ منفرد تصنیف مدت سے نایاب ہے۔ اور اب اس کے طبع ثانی کی طرف کسی نے توجہ نہیں کی۔